ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1970

Program: BS Islamic Studies (Spec. Qur'an & Tafsir)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ — شعبہ قرآن وتفسیر

کورس: منتخب قرآنی موضوعات کا مطالعہ (1970)

سطح: بی ایس علوم اسلامیہ (تخصص قرآن وتفسیر)

سمسٹر: خزاں 2026ء

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ نمبر: 6 تا 9)

کل نمبر: 100 — کامیابی کے نمبر: 50

USMAN NOTES www.usmannotes.com

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

(مطالعہ ورہنمائی کے لیے)

نوٹ: یہ حل شدہ گائیڈ صرف مطالعہ اور رہنمائی کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ سے گزارش ہے کہ وہ نصابی کتاب کے متعلقہ یونٹس کا مطالعہ کر کے مفاہیم کو اچھی طرح سمجھیں اور امتحانی مشق اپنے الفاظ اور اپنے اندازِ تحریر میں لکھیں، کیونکہ ہو بہو نقل کی گئی مشق قواعد کے مطابق قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ اس گائیڈ میں قرآنی حوالے سورت اور آیت کے نمبر کے ساتھ دیے گئے ہیں؛ آیات کے مفاہیم مشہور اردو تراجم کی روشنی میں اپنے الفاظ میں بیان کیے گئے ہیں، اس لیے اصل عربی متن اور ترجمے کی تصدیق کے لیے مصحف اور نصابی کتاب سے رجوع ضرور کریں۔ قصص وسیرت کے واقعات کی روایتی تفصیلات میں اہلِ علم کی تحقیق ہی معتبر ہے؛ یہ گائیڈ ان واقعات کے وہ پہلو پیش کرتی ہے جو قرآن کے بیان سے ثابت ہیں۔

سوال نمبر1: قرآنی شخصیات میں سے کسی ایک شخصیت کے کردار اور اس سے حاصل ہونے والے اسباق پر روشنی ڈالیں۔(20 نمبر)

تعارف اور انتخاب کی وجہ

قرآن مجید نے جن شخصیات کا ذکر فرمایا ہے، وہ محض تاریخی کردار نہیں بلکہ انسانیت کے لیے زندہ نمونے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام، صالحین، مومن خواتین اور بعض ایسی شخصیات کا ذکر جن سے عبرت ملتی ہے، یہ سب اس لیے بیان ہوا کہ ہر دور کا انسان ان کی زندگی میں اپنی رہنمائی تلاش کر سکے۔ اس سوال کے جواب کے لیے ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت کا انتخاب کرتے ہیں، کیونکہ قرآن نے انہیں غیر معمولی اہمیت دی ہے: انہیں "خلیل اللہ" کہا گیا، "ملتِ ابراہیم" کو قیامت تک کے لیے نمونہ قرار دیا گیا، انہیں امت کے لیے "اسوہ" کہا گیا (سورۃ الممتحنہ: 4)، اور فرمایا گیا کہ ابراہیم خود ایک امت تھے، اللہ کے فرمانبردار اور یکسو (سورۃ النحل: 120)۔ کعبہ کی تعمیر، قربانی کا عظیم واقعہ، حج کے مناسک اور اسلامی عقیدے کی بنیادی اصطلاحات — سب کا تعلق اسی عظیم شخصیت سے ہے۔ ذیل میں پہلے ان کے کردار کے نمایاں پہلو قرآن کی روشنی میں بیان کیے جائیں گے: تلاشِ حق کی فطری پیاس، شرک سے جرأت مندانہ بیزاری، دعوت و تبلیغ کا اسلوب، آزمائشوں میں تسلیم و رضا، مہمان نوازی و سخاوت اور دعاؤں کا ذوق؛ پھر ان سے حاصل ہونے والے اسباق کو موجودہ دور کے تناظر میں واضح کیا جائے گا۔

تلاشِ حق: فطرت کی آواز اور غور و فکر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کردار کا پہلا باب تلاشِ حق ہے۔ آپ ایک ایسے ماحول میں پیدا ہوئے جہاں بت پرستی عام تھی اور آپ کے والد (چچا کے درجے میں مشہور روایت کے مطابق آزر) بت بنانے اور بیچنے کا کام کرتے تھے۔ مگر نوجوان ابراہیم نے وراثتی مذہب کو آنکھیں بند کر کے قبول نہ کیا؛ آپ نے کائنات پر غور کیا۔ سورۃ الانعام میں ستارے، چاند اور سورج کو دیکھ کر ان کے غروب ہونے پر یہ کہنا کہ میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا، اور پھر ساری کائنات کے خالق کی طرف رخ کرنا (سورۃ الانعام:

76–79)، اسی تلاش کا قرآنی بیان ہے۔ مفسرین کے نزدیک یہ مناظرہ قوم کو سمجھانے کے لیے بھی تھا اور آپ کے یقین کا استحکام بھی؛ مقصود یہ ہے کہ توحید تک پہنچنے کا راستہ غور و فکر اور دلائل سے کھلتا ہے۔ آپ نے قوم سے سوال کیا کہ یہ بت سنتے ہیں، نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ اور فرمایا کہ کیا تم اس کی عبادت کرتے ہو جو کسی کام کا نہیں (سورۃ الانبیاء: 66–67)۔ یہ اسلوب آج کے طالب علم کے لیے خصوصی سبق رکھتا ہے کہ عقیدہ تقلیدِ آباء کا نام نہیں؛ قرآن نے "ہمیں نے اپنے باپ دادا کو اسی راستے پر پایا" والی سوچ کو بار بار رد کیا ہے۔ ایمان کی بنیاد جتنی دلیل و شعور پر ہو گی، اتنی ہی صبر اور آزمائش میں قائم رہنے والی ہو گی۔

شرک سے بیزاری اور دعوت کا جرأت مندانہ اسلوب

دوسرا نمایاں پہلو شرک سے کھلی بیزاری اور پورے اخلاص کے ساتھ دعوت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے نہایت نرمی اور ادب سے گفتگو کی؛ بار بار "اے ابا جان" کہہ کر مخاطب کیا اور شیطان کی عبادت سے بچنے کی نصیحت کی (سورۃ مریم: 42–45)۔ یہ انداز سکھاتا ہے کہ دعوت میں اخلاص کے ساتھ لہجے کی نرمی اور رشتے کا ادب بھی ضروری ہے، خواہ مخاطب باطل پر کیوں نہ ہو۔ جب قوم نے دلیل کا جواب نہ دیا اور ضد پر قائم رہی تو آپ نے عملی اقدام کیا، بتوں کو توڑ کر بڑے بت کے کندھے پر کلہاڑی رکھ دی تاکہ قوم اپنے ہی منہ سے مانے کہ یہ بول سکتے ہیں نہ حرکت کر سکتے ہیں (سورۃ الانبیاء: 57–63)۔ اس مناظرے نے قوم کو لاجواب کر دیا، مگر جواب میں ظلم کا راستہ اختیار کیا گیا اور آپ کو آگ میں ڈالا گیا — اور اللہ نے آگ کو آپ کے لیے ٹھنڈک و سلامتی بنا دیا (سورۃ الانبیاء: 69)۔ اس پورے واقعے میں کردار کے کئی رنگ نظر آتے ہیں: حق پر غیر متزلزل یقین، بڑی سے بڑی طاقت کے سامنے سچ کہنے کی جرأت، اور نتیجے کی پرواہ کیے بغیر فرض کی ادائیگی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے یہ سبق ملتا ہے کہ سچا داعی مصلحت کے سودے نہیں کرتا، مگر اس کے ساتھ وہ حکمت و نرمی کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔

تسلیم و رضا: آزمائشوں میں عظیم کردار

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کردار کی سب سے روشن جھلک آزمائشوں میں تسلیم و رضا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ جب ان کے رب نے انہیں چند باتوں سے آزمایا تو وہ ان سب میں پورے اترے، تب فرمایا گیا کہ میں تمہیں انسانوں کا امام بناتا ہوں (سورۃ البقرہ: 124)۔ ان آزمائشوں کی فہرست طویل ہے: وطن چھوڑنا، اہل و عیال کو بے آب و گیاہ

وادی (مکہ) میں چھوڑنا، بڑھاپے میں ملنے والے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کا خواب میں حکم پانا۔ اس آخری آزمائش کی کیفیت سورۃ الصافات میں یوں آئی ہے کہ باپ بیٹے سے مشورہ کرتا ہے، بیٹا کہتا ہے کہ اے ابا جان! جو حکم آپ کو ملا ہے اسے کر گزریے، اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے، اور جب دونوں نے اطاعت پر کمر باندھ لی تو اللہ نے اس قربانی کو قبول فرما کر ذبحِ عظیم کا بدل عطا فرمایا (سورۃ الصافات: 102–107)۔ یہاں باپ کی فرمانبرداری بھی کمال کی ہے اور بیٹے کا شعور و رضا بھی؛ یہ واقعہ امت کے لیے قیامت تک قربانی کی روح بن گیا۔ اسی طرح حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا توکل — کہ جس کے سپرد اللہ نے کیا ہے وہ ضائع نہیں کرے گا — اس خانوادے کے مشترکہ کردار کو ظاہر کرتا ہے۔ خدا کی راہ میں گھر، وطن، اولاد اور عزیز ترین پیزیز قربان کرنے کا یہ جذبہ بتاتا ہے کہ امامت و قیادت محنت و قربانی کے بغیر نہیں ملتی۔

دیگر اخلاقی اوصاف: سخاوت، دعا اور تعمیرِ ملت

ان بڑے واقعات کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی روزمرہ شخصیت بھی اوصاف سے بھرپور ہے۔ مہمان نوازی کا ذکر قرآن نے یوں کیا کہ فرشتے مہمان بن کر آئے تو آپ خاموشی سے موٹا تازہ بچھڑا بھون کر لے آئے (سورۃ الذاریات: 26)؛ خدمت میں جلدی اور بہترین چیز پیش کرنا آپ کی سخاوت و اکرام کی دلیل ہے۔ آپ کو قرآن نے "حلیم" (بردبار)، "اواہ" (بہت آہ و زاری و دعا کرنے والے) اور "منیب" (اللہ کی طرف رجوع کرنے والے) قرار دیا (سورۃ ہود: 75)۔ قومِ لوط کے حق میں بھی آپ کی شفاعت آمیز گفتگو آپ کے دردِ دل کی گواہ ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھاتے وقت آپ کی دعائیں — اپنی نسل میں سے رسول کی بعثت کی دعا (سورۃ البقرہ: 129)، شہر کے امن و رزق کی دعا (سورۃ البقرہ: 126)، اور اولاد کی نماز قائم رکھنے کی دعا (سورۃ ابراہیم: 40) — سکھاتی ہیں کہ بڑے کاموں کے ساتھ بڑا انسان اپنے بعد آنے والوں کی ہدایت کی فکر بھی کرتا ہے۔ یہی دعائیں بعد میں حضور ﷺ کی بعثت کی صورت میں قبول ہوئیں۔ یوں حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ہی وقت میں مفکر بھی ہیں، داعی بھی، باپ بھی، مہمان نواز بھی اور ملت کے معمار بھی؛ شخصیت کی یہ جامعیت انہیں انبیاء کے بعد انسانیت کا عظیم ترین نمونہ بناتی ہے۔

جدول 1: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کردار سے حاصل ہونے والے اسباق

سبق	قرآنی واقعہ / حوالے کا مفہوم	آج کے لیے رہنمائی

عقیدہ دلیل و مطالعے سے مضبوط کرنا	ستارے، چاند، سورج پر غور (الانعام: 76–79)	شعوری ایمان
باطل آداب کے سامنے نرمی مگر غیر مصالحت پسندی	بتوں کا مناظرہ اور آگ کی آزمائش (الانبیاء)	حق گوئی و جرأت
اختلاف کے باوجود ادب و نرمی	آزر سے "اے ابا جان" کہہ کر نصیحت (مریم)	والدین سے حسن خطاب
اللہ کی رضا پر خواہشات قربان کرنا	اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا عزم (الصافات)	تسلیم و قربانی
اسباب کے ساتھ نتیجہ اللہ پر چھوڑنا	اہلِ خانہ کو وادی مکہ میں چھوڑنا	توکل
اولاد کی دینی تربیت کی مسلسل فکر	کعبے کی تعمیر کے وقت کی دعائیں (البقرہ)	دعا و نسل کی فکر

اسباق کا آج کے دور میں اطلاق

اس شخصیت سے حاصل ہونے والے اسباق کو آج کے تناظر میں چار بڑے عنوانوں میں سمیٹا جا سکتا ہے۔ پہلا سبق فکری آزادی کا ہے: آج فیشن، میڈیا اور اکثریت کے دباؤ میں انسان وہی مانتا ہے جو ماحول مانتا ہے؛ ابراہیمی کردار سکھاتا ہے کہ سچ اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ سب کہہ رہے ہیں بلکہ دلیل و وحی سے ثابت ہوتا ہے۔ دوسرا سبق مقصد کی خاطر قربانی کا ہے: وقت، مال اور آرام کی چھوٹی چھوٹی قربانیوں کے بغیر نہ علم حاصل ہوتا ہے، نہ کردار بنتا ہے، نہ معاشرہ سدھرتا ہے۔ تیسرا سبق دعوت کے ادب کا ہے: گھر والوں اور مخالفین سے مخاطبت میں نرمی، دلیل اور خیر خواہی؛ تلخی اور طنز دلوں کو دور کرتے ہیں۔ چوتھا سبق نسل سازی کا ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اولاد کے لیے صرف مال نہیں چھوڑا بلکہ دین، دعا اور تعمیرِ کعبہ جیسی میراث چھوڑی؛ آج کے والدین کے لیے یہی پیمانہ ہے کہ ان کی زندگی کا سب سے بڑا منصوبہ اولاد کی ایمانی تربیت ہونا چاہیے۔ ان اسباق کے ساتھ یہ نکتہ بھی ذہن میں رہے کہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات میں بعض تاریخی تفصیلات ایسی ہیں جن میں روایات مختلف ہیں؛ طالب علم کو اصل پیغام قرآن کے بیان کردہ حصے سے لینا چاہیے اور جزئی تفصیلات میں مستند تفاسیر کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قرآنی شخصیت تلاشِ حق، توحید پر استقامت، دعوت کی جرأت و حکمت، آزمائشوں میں تسلیم و رضا، سخاوت و مہمان نوازی اور نسلِ انسانی کی خیر خواہی کا مکمل نمونہ ہے۔ قرآن نے انہیں امام، اسوہ اور ملت کا بانی قرار دے کر قیامت تک کے انسانوں کے لیے چراغ بنا دیا۔ طالب علم کے لیے سبق یہ ہے کہ ان واقعات کو قصے کے طور پر پڑھنا کافی نہیں؛ ان سے حاصل شدہ اساقِ شعوری ایمان، قربانی، توکل اور دعا — کو اپنی روزمرہ زندگی کی عادات بنانا ہی اس سوال کے مطالعے کا اصل مقصد ہے۔

سوال نمبر2: ارض القرآن کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے اہم مقاماتِ قرآنی کا تعارف پیش کریں۔(20نمبر)

تعارف

قرآن مجید صرف احکام و عقائد کی کتاب نہیں، اس میں ایک مکمل جغرافیائی و تاریخی شعور بھی موجود ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے واقعات، امتوں کا عروج و زوال، ہجرتوں کے سفر اور مقدس شہروں کا ذکر ایک ایسی سرزمین کی تصویر بناتا ہے جسے علما و جغرافیہ دان ''ارض القرآن'' یعنی قرآن کی سرزمین کہتے ہیں۔ قرآن بعض جگہوں کو نام لے کر یاد کرتا ہے، جیسے مکہ (بکّہ)، یثرب (مدینہ)، طورِ سینا، ارضِ مقدسہ اور مصر؛ اور بعض مقامات کی طرف اشارے کرتا ہے جن کی تعیین تفاسیر و تاریخ سے ہوتی ہے، جیسے مدین، الحجر (مدائن صالح) اور سبا۔ سوال کے دو حصے ہیں: پہلے ارض القرآن کے مفہوم کی وضاحت، پھر اہم مقاماتِ قرآنی کا مختصر مگر جامع تعارف۔ یہ موضوع طالب علم کے لیے اس لیے بھی اہم ہے کہ قرآن کے قصص کو ان کے مقام و ماحول کے ساتھ سمجھنے سے آیات کی معنویت دوگنی ہو جاتی ہے، قوموں کے انجام سے سبق حاصل کرنا آسان ہوتا ہے، اور انسان پر یہ حقیقت کھلتی ہے کہ قرآن کا پیغام خیالی دنیاؤں میں نہیں بلکہ اسی زمین کی واقعی قوموں اور شہروں کے درمیان اترا تھا۔ اس جواب میں تعارف کے بعد ایک جامع جدول بھی دیا گیا ہے تاکہ نظر ثانی میں آسانی ہو۔

ارض القرآن کا مفہوم

ارض القرآن سے مراد وہ خطہ زمین ہے جو قرآن مجید کے نزول، اس کی دعوت، اور اس میں بیان کردہ تاریخی واقعات کا میدان رہا ہے۔ اس کی وسعت کو تین دائروں میں سمجھا جا سکتا ہے۔ پہلا اور مرکزی دائرہ جزیرہ نمائے عرب ہے، خصوصاً حجاز کا خطہ جہاں مکہ و مدینہ واقع ہیں؛ یہیں وحی نازل ہوئی، پہلی اسلامی ریاست قائم ہوئی اور یہیں سے دعوت دنیا بھر میں پھیلی۔ دوسرا دائرہ وہ علاقے ہیں جہاں سابقہ انبیاء مبعوث ہوئے اور قرآن نے ان کے واقعات بیان کیے: شام و فلسطین (ارض مقدسہ)، مصر، عراق (بابل)، یمن (سبا و مأرب) اور جزیرہ کے شمالی و جنوبی علاقے جیسے مدین، ثمود کی بستیاں اور احقاف۔ تیسرا دائرہ وہ سرزمینیں ہیں جن کا ذکر قرآن نے نشانیوں، سفر کے راستوں یا قوموں کے انجام کے سلسلے میں کیا، مثلاً روم و فارس کی سرحدی دنیائیں جن کی طرف سورۃ الروم میں اشارہ ہے۔ اس اصطلاح کا مقصد جغرافیائی معلومات کی فہرست بنانا نہیں بلکہ وہ علمی فائدہ ہے جو مقام کی پہچان سے حاصل ہوتا ہے: آیات میں "ان کے کھنڈرات تمہارے راستوں پر ہیں، تم صبح شام ان پر سے گزرتے ہو" (سورۃ الصافات: 137-138) جیسے ارشادات اسی لیے ہیں کہ زمین خود گواہی دے اور انسان مقام سے سبق لے۔ علما نے اسی بنیاد پر "جغرافیۃ القرآن" کو باقاعدہ موضوع بنایا اور مقامات کی تعیین میں قرآن، حدیث، تاریخ اور آثار قدیمہ سے استدلال کیا، البتہ جہاں قرآن خاموش ہے وہاں تعیین میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے، اس لیے قطعی دعووں سے بچنا علمی دیانت ہے۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ

ارض القرآن کا قلب مکہ مکرمہ ہے۔ قرآن نے اسے "بکّہ"، "ام القریٰ" (بستیوں کی ماں / اصل) اور "بلد الامین" (امن والا شہر) کہا ہے۔ یہاں خانہ کعبہ ہے جسے قرآن نے لوگوں کے لیے قیام و امن کی جگہ اور سب سے پہلا گھر قرار دیا جو انسانوں کے لیے وضع کیا گیا (سورۃ آل عمران: 96)۔ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے اس کی بنیادیں اٹھائیں، اسی شہر میں نبی کریم ﷺ کی ولادت و بعثت ہوئی، تیرہ سال مکّی دعوت یہیں چلی، اور فتح مکہ کے بعد یہ اسلام کا مرکزِ عبادت و حج بنا۔ مقام ابراہیم، صفا و مروہ، وادی منیٰ و عرفات اور غارِ حرا و ثور اسی سرزمین کے عظیم نشانیاں ہیں جن کا ذکر یا اشارہ قرآن میں موجود ہے۔ اس کے بعد مدینہ منورہ (قرآن کا "یثرب" اور بعد کا "مدینۃ النبی") کا درجہ ہے۔ ہجرت کے بعد یہ پہلی اسلامی ریاست کا دارالحکومت بنا؛ مسجد نبوی و مسجد قبا کی بنیاد پڑی، مؤاخات و میثاقِ مدینہ جیسے تاریخی اقدامات ہوئے، اور غزواتِ بدر

واحد و خندق کے مقامات اسی کے اطراف میں ہیں جن کا قرآن نے تفصیل سے ذکر کیا۔ مدینہ کی فضیلت میں مدنی سورتوں کا نزول بھی شامل ہے جن میں احکام و قوانین کی تکمیل ہوئی۔ ان دونوں شہروں کو ملا کر حرمین شریفین کہا جاتا ہے اور یہ ارض القرآن کے وہ دو نورانی قطب ہیں جن کی زیارت و مناسک مسلمان کی زندگی کا مرکز ہیں۔

ارضِ مقدسہ (فلسطین و شام) اور مصر

تیسرا اہم خطہ ارضِ مقدسہ یعنی فلسطین و بلادِ شام ہے۔ قرآن نے بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کو "جس کے گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں" کہہ کر یاد کیا (سورۃ بنی اسرائیل: 1) اور واقعہ معراج بھی اسی مقام سے جڑا ہے۔ یہ سرزمین حضرت ابراہیم، اسحاق، یعقوب، یوسف (بعض ادوار)، موسیٰ، داؤد، سلیمان اور عیسیٰ علیہم السلام سمیت بے شمار انبیاء کا مسکن و مدفن رہی، اسی لیے اسے انبیاء کی سرزمین کہا جاتا ہے۔ قرآن میں بنی اسرائیل کو اس ارضِ مقدسہ میں داخلے کا حکم اور ان کے تاریخی مراحل کا ذکر بھی یہیں سے متعلق ہے (سورۃ المائدہ: 21)۔ چوتھا بڑا مقام مصر ہے، جس کا نام قرآن میں صراحتاً آیا ہے اور جہاں حضرت یوسف علیہ السلام کی پوری داستان — کنویں سے قید خانے اور قید خانے سے تخت تک — پیش آئی، اور بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا معرکۂ حق و باطل بھی اسی سرزمین پر ہوا۔ سورۃ یوسف اور رعب و دبدبہ سنانے والی سورتوں میں مصر کے دربار، قحط کے سال اور بنی اسرائیل کی سکونت کے مناظر اسی جغرافیے کو زندہ کرتے ہیں۔ ان دونوں خطوں کی اہمیت یہ ہے کہ یہاں توحید کی تاریخ کے سب سے طویل اور فیصلہ کن ابواب رقم ہوئے، اور آج بھی ان مقامات کے آثار و شواہد قرآن کے واقعات کی جغرافیائی حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔

طور، مدین، الحجر، سبا اور دیگر مقامات

پانچواں نمائندہ مقام وادی سینا اور کوہِ طور ہے، جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی، وادی مقدس طویٰ میں اللہ سے ہمکلامی ہوئی اور تورات عطا ہوئی؛ قرآن نے اس کی قسم بھی کھائی ہے (سورۃ الطور: 1) اور اسے مبارک جگہ قرار دیا ہے۔ چھٹا مقام مدین ہے، جو جزیرہ کے شمال مغرب میں واقع تھا جہاں حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے اور ناپ تول میں کمی کرنے والی قوم پر عذاب آیا؛ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے نکل کر یہیں پناہ لی اور شادی بھی یہیں ہوئی۔ ساتواں خطہ الحجر یعنی ثمود کی بستیاں ہیں (آج کے مدائن صالح کے اطراف)، جن کے پہاڑوں میں تراشے گئے مکانات کا قرآن نے ذکر کیا ہے اور قریش کے قافلے ان کھنڈرات کے پاس سے گزرتے تھے (سورۃ الحجر:

79-82)۔ آٹھواں مقام یمن میں سبا و مأرب کا علاقہ ہے جہاں ملکہ سبا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ پیش آیا اور جہاں کے بند (سد مأرب) کے ٹوٹنے کو قرآن نے سورۃ سبا میں قوم کی ناشکری کے انجام کے طور پر بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ احقاف (قوم عاد کا علاقہ)، بابل (عراق، جہاں ہاروت و ماروت کا ذکر ہے)، ایلہ / ایلات کے اطراف کی بستیاں اور بحر قلزم کے وہ مقامات بھی ارض القرآن کا حصہ ہیں جہاں بنی اسرائیل کے سمندر پار کرنے کا معجزہ ہوا۔ ان سب مقامات کا مشترکہ پیغام یہ ہے کہ دنیا کی بڑی تہذیبیں جب توحید و عدل سے ہٹیں تو ان کے محلات نشانیاں بن گئے۔

جدول 2: اہم مقاماتِ قرآنی — تعارف ایک نظر میں

مقام	موجودہ خطہ	قرآنی اہمیت
مکہ مکرمہ (بکّہ)	حجاز، سعودی عرب	خانہ کعبہ، ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام، ولادت و بعثتِ رسول ﷺ، قبلہ و حج کا مرکز
مدینہ منورہ (یثرب)	حجاز، سعودی عرب	ہجرت، پہلی اسلامی ریاست، مسجد نبوی و قبا، غزوات کا مرکز
بیت المقدس / مسجد اقصیٰ	فلسطین	انبیاء کی سرزمین، واقعہ اسراء و معراج، گرد و پیش میں برکت کا ذکر
مصر	شمال مشرقی افریقہ	یوسف علیہ السلام کی داستان، موسیٰ علیہ السلام و فرعون کا معرکہ
طورِ سینا / وادی طویٰ	جزیرہ نمائے سینا	موسیٰ علیہ السلام کی مناجات اور تورات کا نزول

شعیب علیہ السلام کی قوم؛ موسیٰ علیہ السلام کی پناہ گاہ	شمال مغربی جزیرہ عرب	مدین
صالح علیہ السلام کی قوم کے تراشیدہ مکانات، عبرت کی سانز	مدائن صالح کے اطراف	الحجر (ثمود)
ملکہ سبا و سلیمان علیہ السلام؛ سد مأرب اور سیل عرم کا واقعہ	یمن	سبا/ مأرب
ہاروت و ماروت کا ذکر (البقرہ: 102)؛ قدیم تہذیبی مرکز	عراق	بابل
ہود علیہ السلام کی قوم عاد کا علاقہ	جنوبی جزیرہ عرب	احقاف

USMAN NOTES www.usmannotes.com

مقاماتِ قرآنی کے مطالعے کے فوائد

ان مقامات کے مطالعے کے کئی علمی و تربیتی فوائد ہیں۔ پہلا فائدہ تفسیر میں درستگی ہے: جب طالب علم جانتا ہو کہ آیت کس مقام و پس منظر میں نازل ہوئی، جیسے بدر و احد کے مقامات یا حج کے مقامات، تو آیات کے مفاہیم میں زندگی اور گہرائی پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرا فائدہ قصص کی تصدیقی دلچسپی ہے: ثمود کے مکانات، مصر کے آثار اور سبا کے بند کے باقیات دیکھ کر یہ احساس مضبوط ہوتا ہے کہ قرآن کتابی قصے نہیں سناتا بلکہ زمین کی تاریخ بیان کرتا ہے۔ تیسرا فائدہ عبرت و نصیحت ہے؛ قرآن نے بار بار کہا کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیا ہوا — یہ سفر و سیاحت مقامات کے شعور کے بغیر ممکن نہیں۔ چوتھا فائدہ امت کا تاریخی رشتہ ہے: حج و عمرے میں جب مسلمان انہی مقامات سے گزرتا ہے تو اس کا رشتہ ابراہیمی ملت سے زندہ ہو جاتا ہے۔ البتہ اس مطالعے میں علمی احتیاط بھی لازم ہے: بعض اشارتی مقامات کی دقیق تعیین میں مفسرین و

مؤرخین کا اختلاف ہے، اس لیے طالب علم کو چاہیے کہ وہ قطعی قرآنی تصریحات اور اجتہادی تعیینات میں فرق رکھے اور اختلافی تعیین کو یقینی حقیقت کے طور پر پیش نہ کرے۔

اس احتیاط کے ساتھ ارض القرآن کا علم مطالعہ قرآن کو نقشے، تاریخ اور زمین سے جوڑ دیتا ہے اور کتاب اللہ سے لگاؤ کئی گنا بڑھا دیتا ہے۔

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ ارض القرآن سے مراد وہ وسیع خطہ ہے جو قرآن کے نزول، دعوت اور اس کے بیان کردہ واقعات کا تاریخی و جغرافیائی میدان ہے، جس کا قلب مکہ و مدینہ ہیں اور جس کے دائرے میں فلسطین و شام، مصر، عراق، یمن اور جزیرۂ عرب کے مختلف علاقے شامل ہیں۔ ان مقامات کا تعارف محض معلومات نہیں بلکہ عبرت، تفسیر کی گہرائی اور ملتِ ابراہیمی سے قلبی رشتے کا ذریعہ ہے۔ طالب علم کے لیے سبق یہ ہے کہ وہ قرآن پڑھتے ہوئے متعلقہ مقامات کو نقشے پر تلاش کرے، متعلقہ تفاسیر دیکھے، اور ہر شہر و کھنڈر سے وہی سبق لے جو قرآن نے لیا ہے: کہ تہذیبوں کی بقا عمارتوں سے نہیں، توحید و عدل پر قائم رہنے سے ہے۔

سوال نمبر 3: قرآن کریم نظریہ تخلیقِ کائنات کو کس انداز میں بیان کرتا ہے؟ (20 نمبر)

تعارف

انسان کے ذہن کو ہمیشہ سے جو سوال سب سے زیادہ متوجہ کرتا رہا ہے وہ یہ ہے کہ یہ کائنات کیسے وجود میں آئی، اس کا بنانے والا کون ہے، اور اس نظام کے پیچھے کوئی مقصد ہے یا یہ محض اتفاقات کا کھیل ہے؟ ہر تہذیب، ہر مذہب اور جدید سائنس نے اس سوال کے جواب کی کوشش کی ہے۔ قرآن کریم اس موضوع پر نہ تو قدیم اقوام کی خرافاتی داستانیں دہراتا ہے اور نہ انسان کو لاجواب چھوڑتا ہے؛ اس کا اپنا ایک منفرد انداز ہے۔ سوال یہی ہے کہ قرآن نظریہ تخلیقِ کائنات کو کس انداز میں بیان کرتا ہے؟ اس کے انداز کی چند نمایاں خصوصیات پیشگی نوٹ کر لینی چاہئیں: قرآن تخلیق کو اللہ کی قدرت و ربوبیت کی سب سے بڑی دلیل بناتا ہے، اسے توحید و آخرت سے جوڑتا ہے، انسان کو بار بار مشاہدے و غور کی دعوت دیتا ہے، اور سائنسی جزئیات کی کتاب بننے کے بجائے ہدایت کا وہ فریم فراہم کرتا ہے جس میں ہر نئی دریافت خدا کی طرف اشارہ بن جاتی ہے۔ اس

جواب میں ہم اللہ کو خالقِ کل ماننے، "کن فیکون"، چھ ایام میں مرحلہ وار تخلیق، آسمان وزمین کی ابتدائی کیفیت، پانی سے زندگی کی ابتدا، انسان کی تخلیق کے مراحل، اور تخلیق کے مقصد و تدبیر کے قرآنی بیانات کا جائزہ لیں گے، اور آخر میں اس اندازِ بیان کی خصوصیات کا خلاصہ پیش کریں گے۔

پہلا اصول: کائنات کا ایک خالق و مدبر ہے

قرآن کے بیانِ تخلیق کی بنیاد یہ اعلان ہے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے (سورۃ الزمر: 62) اور اسی نے آسمانوں و زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ قرآن مشرکین ہی سے یہ اقرار کرواتا ہے کہ اگر ان سے پوچھا جائے کہ آسمان و زمین کس نے پیدا کیے اور سورج چاند کو کس نے مسخر کیا تو وہ کہیں گے: اللہ نے (سورۃ العنکبوت: 61)۔ مطلب یہ کہ خالق کی صفت میں انسانیت کی اکثریت ہمیشہ سے اللہ ہی کی طرف رجوع کرتی رہی ہے؛ اختلاف اور انکار مادہ تر عبادت و اطاعت کے درجے میں ہوا۔ قرآن خالقیت کو اللہ کی ان صفات سے جوڑتا ہے جو تخلیق کی حکمت سمجھاتی ہیں: وہ "الخالق" بھی ہے، "الباری" (عدم سے وجود دینے والا) بھی، اور "المصور" (صورتیں بنانے والا) بھی اور "البدیع" (بغیر نمونے کے ایجاد کرنے والا) بھی۔ "بدیع السماوات والارض" کا بیان (سورۃ البقرہ: 117) اس نظریے کی تردید کرتا ہے کہ کائنات ہمیشہ سے موجود تھی یا کسی مادے کو خدا نے صرف صورت دی؛ قرآن کے نزدیک صورت و مادہ دونوں اسی کی تخلیق ہیں۔ اس کے ساتھ قرآن یہ بھی واضح کرتا ہے کہ تخلیق کے بعد اللہ نظامِ کائنات سے بیگانہ نہیں ہو گیا، جیسا کہ بعض فلسفوں کا خدا ہے؛ وہی ہر لمحہ تدبیر کرتا ہے، رزق دیتا ہے، موت و حیات اسی کے ہاتھ میں ہے۔ یہی ربط تخلیق کو خشک نظریے کے بجائے زندگی بھرا عقیدہ بنا دیتا ہے، کیونکہ جو خالق ہے وہی مربی، مالک اور جواب طلب کرنے والا بھی ہے۔

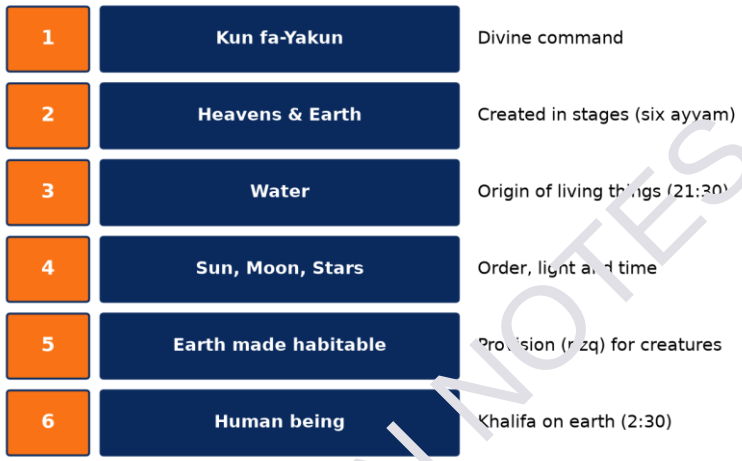


Figure 3: The Quranic presentation of the creation of the universe

شکل 3: تخلیقِ کائنات کا قرآنی بیان — امرِ الٰہی سے مرحلہ وار نظام، اور انسان بطور خلیفہ۔

امرِ الٰہی اور مرحلہ وار تخلیق: کن فیکون اور چھ ایام

قرآن نے تخلیق کے طریقِ کار کو دو باہم مکمل بیانات سے سمجھایا ہے۔ ایک طرف یہ کہ جب اللہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہتا ہے "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے (سورۃ البقرہ: 117؛ سورۃ یٰس: 82) — یہ بیان اللہ کی قدرت کی مطلقیت کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اسباب کا محتاج نہیں۔ دوسری طرف قرآن یہ بھی بیان کرتا ہے کہ آسمانوں و زمین کی تخلیق چھ "ایام" (ادوار) میں ہوئی (سورۃ الاعراف: 54؛ سورۃ ہود: 7)۔ ان دونوں بیانات میں کوئی تضاد نہیں: "کن" قدرت کی شان ہے، اور مرحلہ واری اس کی حکمت کا ظہور ہے کہ اللہ نے کائنات کو ایک نظام و قانون کے تحت درجہ بدرجہ بنانا پسند فرمایا تاکہ انسان اس تدریج کو سمجھ کر خود بھی اپنی زندگی و تہذیب میں صبر و قانون کی قدر سیکھے۔ لفظ "یوم" کا قرآنی استعمال انسانی چوبیس گھنٹے کے دن تک محدود نہیں؛ قرآن خود کہتا ہے کہ اللہ کے نزدیک ایک دن تمہارے شمار کے ہزار سال کے برابر بھی ہو سکتا ہے (سورۃ الحج: 47)۔ اس لیے "چھ ایام" کو چھ عظیم تخلیقی ادوار بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح سورۃ فصلت میں زمین کی تخلیق دو دن، اس میں برکتوں و رزق کی تقدیر چار دن، اور آسمانوں

کی تکمیل دو دن کے بیان سے مجموعی ترتیب سمجھائی گئی ہے۔ ان آیات کی دقیق تطبیق جدید جیالوجی و فلکیات کے ادوار سے کرنا اجتہادی کام ہے؛ قرآن کا اصل مقصد مقدار معلوم کروانا نہیں، یہ بتانا ہے کہ کائنات ایک حکیمانہ منصوبے کے تحت مرحلہ وار وجود میں آئی۔

آسمان و زمین کی ابتدائی کیفیت اور کائناتی نظام

قرآن نے کائنات کی ابتدائی کیفیت پر سورۃ الانبیاء میں یہ اہم بیان دیا کہ آسمان و زمین دونوں باہم ملے ہوئے (ایک بند اکائی کی طرح) تھے، پھر ہم نے انہیں الگ الگ کر دیا، اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز بنائی (سورۃ الانبیاء: 30)۔ مفسرین نے "رتقاً ففتقناہما" کے معنی میں بارشوں، نباتات کی پیدائش اور آسمان و زمین کی تفریق کے کئی پہلو بیان کیے ہیں، اور جدید دور کے بعض اہل علم نے اس کی مشابہت کائنات کے ابتدائی وحدتی حالت کے تصور سے بھی جوڑی ہے؛ تاہم علمی امانت کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی مطابقتوں کو اجتہادی رائے کے طور پر پیش کیا جائے، قطعی قرآنی مراد کے طور پر نہیں۔ قرآن کی دیگر آیات بتاتی ہیں کہ اللہ نے آسمان کو دھوئیں کی سی کیفیت سے بنایا (سورۃ فصلت: 11)، سات آسمان طبق بہ طبق بنائے (سورۃ الملک: 3)، سورج و چاند کو مقرر مداروں میں رواں رکھا (سورۃ یٰسٓ: 38–40)، آسمان کو ستاروں سے مزین اور محفوظ چھت بنایا (سورۃ الانبیاء: 32)۔ یہ تمام بیانات ایک ایسے کائناتی نظام کی تصویر دیتے ہیں جو بے مقصد دھماکہ نہیں بلکہ مکمل توازن، پیمائش اور قانون کا کارخانہ ہے؛ قرآن اس توازن کو "میزان" کہہ کر انسان کو بھی تلقین کرتا ہے کہ توازن میں خلل نہ ڈالے (سورۃ الرحمٰن: 7–9)۔ یوں تخلیق کا بیان انسان کو فلکیات و طبیعیات کی طرف نہیں بلکہ ان کے ذریعے خالق کی قدرت و حکمت کی طرف لے جاتا ہے۔

انسان کی تخلیق اور خلافت کا منصب

قرآن کے تخلیقی بیان کا نقطہ عروج انسان کی تخلیق ہے۔ قرآن بیان کرتا ہے کہ انسان کی پیدائش مٹی سے شروع ہوئی؛ پھر نطفہ، علقہ، مضغہ، ہڈیوں اور گوشت کے مراحل سے گزر کر کامل صورت بنی اور اس میں اللہ نے اپنی روح میں سے پھونکا اور اسے سمع و بصر و دل عطا کیے (سورۃ السجدہ: 7–9؛ سورۃ المؤمنون: 12–14)۔ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کے سامنے خلیفہ بنانے کا اعلان (سورۃ البقرہ: 30)، فرشتوں کا سجدہ اور ابلیس کا انکار اس سلسلے کی وہ کڑیاں ہیں جو انسان کی عزت، اس کے علم (اسماء کی تعلیم) اور

آزمائش کی نوعیت کو واضح کرتی ہیں۔ قرآن انسان کی تخلیق کو عبث نہیں قرار دیتا: "کیا تم نے گمان کیا کہ ہم نے تمہیں یوں ہی بیکار پیدا کیا اور تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے" (سورۃ المؤمنون: 115)۔ انسان کو مسخر کائنات بھی عطا ہوئی — زمین و سمندر کی چیزیں، مویشی، کھیتی، رات دن — تاکہ وہ خلافت کا فریضہ بحسن و خوبی ادا کرے (سورۃ لقمان: 20)۔ تخلیقِ آدم کی مٹی سے ابتدا انسان کی عاجزی بھی سکھاتی ہے اور خشکی و پانی دونوں جہانوں سے اس کا تعلق بھی ظاہر کرتی ہے۔ اس طرح قرآن کا انسان نہ بندر کی ترقی یافتہ صورت ہے جس کا مقصد کچھ نہ ہو، نہ وہ خدا کا حصہ ہے؛ وہ اللہ کی خاص تخلیق، علم و امانت کا حامل اور زمین پر اس کا نائب ہے۔ اس نظریے کا اخلاقی نتیجہ یہ ہے کہ انسان کائنات کو فتح کی جاگیر نہیں بلکہ امانت سمجھ کر اس کی حفاظت کرے۔

قرآنی اندازِ بیان کی خصوصیات

ابتک بیان شدہ مواد کو سمیٹیں تو قرآن کے اندازِ بیان کی چھ خصوصیات نمایاں ہوتی ہیں۔ پہلی: تخلیق ہمیشہ توحید کی دلیل کے طور پر آتی ہے؛ ہر آیت انسان کو مخلوق سے خالق کی طرف لے جاتی ہے۔ دوسری: بیان مشاہداتی ہے؛ قرآن کتابی دلیل سے پہلے انسان سے کہتا ہے کہ زمین میں چلو، آسمان کی طرف نگاہ اٹھاؤ، اپنی پیدائش پر غور کرو — "اور خود تمہارے اندر بھی نشانیاں ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں" (سورۃ الذاریات: 21)۔ تیسری: تخلیق کے ساتھ اس کا مقصد بھی بیان ہوتا ہے؛ سورج و چاند حساب و وقت کے لیے، زمین رزق و قیام کے لیے، اور انسان عبادت و خلافت کے لیے۔ چوتھی: بیان جامع مگر جزئیات سے پرہیز کرتا ہے؛ قرآن فزکس کی بجائے ہدایت کی کتاب ہے، اسی لیے وہ سائنسی تفصیلات کے بجائے اصول دیتا ہے اور انسان کی تحقیق کو راہ بند نہیں کرتا بلکہ اسے کھولتا ہے۔ پانچی: تخلیق کا ذکر بار بار آخرت سے پیوست ہے؛ جو ذات پہلی بار پیدا کر سکتی ہے، اس کے لیے دوبارہ زندہ کرنا مشکل نہیں (سورۃ یٰس: 78–79)۔ چھٹی: یہ بیان قلب کو بھی متاثر کرتا ہے؛ سورۃ الرحمٰن اور سورۃ الملک کی طرز پر نعمتوں کی گنتی انسان کے اندر شکر و محبت پیدا کرتی ہے۔ اسلوب کی یہی جامعیت قرآن کو ہر دور کے انسان — فلسفی، سائنسدان اور عام آدمی — کے لیے قابلِ فہم رکھتی ہے۔

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم نظریہ تخلیقِ کائنات کو ایک خالق و حکیم کی مرحلہ وار، بامقصد اور متوازن تخلیق کے طور پر بیان کرتا ہے: اللہ امر کرتا ہے تو وجود ظاہر ہوتا ہے؛ آسمان و زمین ادوار میں تکمیل پاتے ہیں؛ زندگی پارسے پروان پڑھتی ہے؛ اور انسان مٹی سے مراحل طے کر کے خلافت کے منصب تک پہنچتا ہے۔ قرآن کا انداز داستان گوئی نہیں بلکہ دلیل، مشاہدہ اور ہدایت کا امتزاج ہے، جو سائنس کے دروازے کھلا رکھتا ہے مگر انسان کو مادے پر روک نہیں دیتا بلکہ خالق تک پہنچاتا ہے۔ طالب علم کے لیے سبق یہ ہے کہ وہ کائنات کی ہر نئی دریافت کو الحاد کی دلیل کے بجائے اسی قرآنی نظر سے دیکھے کہ یہ بھی حکیم خالق کی کتابِ فطرت کا ایک اور صفحہ ہے، اور اپنے نصابی یونٹس کے ساتھ سورۃ الرحمٰن، سورۃ الملک اور سورۃ یٰس کا مطالعہ اس مضمون کو دل میں اتار دے گا۔

سوال نمبر 4: قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں معاملات اور تدبیرِ منزل کی اہمیت بیان کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

قرآن مجید کی تعلیمات صرف عبادات اور عقائد تک محدود نہیں؛ یہ انسانی زندگی کے دو بڑے عملی میدانوں کی طرف بھی پوری توجہ دیتی ہیں: ایک "معاملات" یعنی انسانوں کے باہمی لین دین، خرید و فروخت، قرض، گواہی، معاہدے اور حقوق و فرائض کا نظام؛ اور دوسرا "تدبیرِ منزل" یعنی گھر و خاندان کا نظام، میاں بیوی کے تعلقات، اولاد کی پرورش و تربیت، رشتہ داروں کے حقوق اور گھریلو معیشت کی تنظیم۔ قدیم اسلامی فلسفہ اخلاق میں تدبیرِ منزل کو شہری سیاست سے پہلے کی بنیادی اکائی قرار دیا گیا تھا، کیونکہ معاشرہ گھروں سے بنتا ہے اور گھر کی بگاڑ پوری ریاست کو بگاڑ دیتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ قرآن کی روشنی میں ان دونوں شعبوں کی اہمیت کیا ہے؟ اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ قرآن معاملات کو ایمان کا عملی ثبوت اور تدبیرِ منزل کو معاشرتی امن کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ جو ایمان زندگی کے لین دین میں امانت و عدل نہ پیدا کرے اور گھر میں رحمت و سکون نہ لائے، قرآن کی نظر میں وہ ناقص ہے۔ اس جواب میں پہلے معاملات کی قرآنی بنیادیں — حلال کسب، امانت، عدل، معاہدوں کی پابندی، سود و خیانت کی ممانعت — پھر

تدبیرِ منزل کے اصول — قوامیت و مشاورت، مودت و رحمت، تربیتِ اولاد، میانہ روی — اور آخر میں دونوں کے باہمی تعلق اور آج کے دور میں ان کی اہمیت پر روشنی ڈالی جائے گی۔

معاملات کی قرآنی بنیاد: حلال کسب اور امانت و عدل

معاملات کی پہلی قرآنی بنیاد حلال و طیب کسب ہے۔ قرآن نماز کے بعد زمین میں پھیل کر اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرنے کا حکم دیتا ہے (سورۃ الجمعہ: 10) اور تجارت کو باہمی رضامندی سے ہو تو حلال قرار دیتا ہے، جبکہ ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھانے سے منع کرتا ہے (سورۃ النساء: 29)۔ یہ اصول معیشت کو عبادت سے جوڑ دیتا ہے: محنت، تجارت اور ملازمت بھی نیت کے صحت مند ہونے سے نیکی بن جاتی ہے۔ دوسری بنیاد امانت و عدل ہے۔ امانتوں کو اہل تک پہنچانے اور لوگوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کرنے کا حکم (سورۃ النساء: 58) شہری زندگی کی اساس ہے؛ اسی لیے قرآن ناپ تول میں پورا انصاف رکھنے کا بار بار حکم دیتا ہے اور کمی کرنے والوں کے لیے تباہی کی وعید سناتا ہے (سورۃ المطففین: 1–3)۔ تیسری بنیاد باہمی معاہدات کی تحریری حفاظت ہے؛ سورۃ البقرہ کی طویل ترین آیت (آیتِ دین 282) قرض کے معاملے کو لکھنے، گواہ بنانے اور کاتب و گواہ کو نقصان نہ پہنچانے کی تفصیل دیتی ہے، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن معاملات کو محض زبانی بھروسے پر نہیں چھوڑتا بلکہ ان کی دستاویزی تنظیم کو دینی فریضہ قرار دیتا ہے۔ چوتھی بنیاد سود، رشوت، جوا، ذخیرہ اندوزی اور دھوکا دہی کی واضح ممانعت ہے، کیونکہ یہ اعمال معاشرتی توازن کو بگاڑ کر دولت کو چند ہاتھوں میں سکیڑ دیتے ہیں۔ ان اصولوں پر کھڑا معاملاتی نظام اعتماد پیدا کرتا ہے، اور اعتماد ہی ہر معیشت و معاشرے کی اصل دولت ہے۔

معاملات کی اہمیت: اجتماعی زندگی کے تناظر میں

اب دیکھتے ہیں کہ ان اصولوں کی اہمیت عملی زندگی میں کیا ہے۔ پہلی اہمیت یہ ہے کہ معاملات انسان کے ایمان کی پرکھ ہیں: تنہائی کی عبادت میں انسان کی اصل اخلاقی سطح ظاہر نہیں ہوتی، مگر جب اس کے ہاتھ میں دوسروں کا مال، حق اور کمزوری آ جائے، تب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں کتنا خدا خوفی ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے سچے و امانت دار تاجر کو انبیاء و صدیقین کے ساتھ قرار دیا اور مسلمان کی تعریف یہ کی کہ وہ جس کے ہاتھ و زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ دوسری اہمیت معاشرتی اعتماد و استحکام

ہے: جس بازار میں تول پورا ہو، وعدہ سچا ہو اور معاہدہ محفوظ ہو، وہاں تجارت پھلتی ہے، مقدمے بازی کم ہوتی ہے اور ریاستی اداروں پر بوجھ گھٹتا ہے۔ تیسری اہمیت کمزور طبقے کی حفاظت ہے: یتیم کے مال کی حفاظت (سورۃ النساء: 10)، مزدور کی فوری اجرت، مقروض کو مہلت (سورۃ البقرہ: 280) اور وراثت کی صریح تقسیم جیسے احکام فرد سے ریاست تک سب کو اس بات کا پابند کرتے ہیں کہ طاقتور کمزور کا حق نہ دبا سکے۔ چوتھی اہمیت آخرت کی جواب دہی ہے: قیامت کے دن مال کے بارے میں سوال ہو گا کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؛ یہ احساس معاملات کو صرف قانونی نہیں بلکہ دینی ذمہ داری بنا دیتا ہے۔ آج کی عالمی معیشت کے بحران — دھوکا دہی، بنکاری سکینڈل، صارف کا استحصال — قرآن کے انہی اصولوں سے لاپروائی کے نتائج ہیں۔ اس لیے معاملات کی اصلاح محض معاشی پالیسی کا نہیں بلکہ دینی احیاء کا کام ہے۔

تدبیرِ منزل: گھر بطور پہلی ریاست

تدبیرِ منزل کا لغوی مطلب ہے گھر کا نظم و نسق، اور اسلامی اصطلاح میں اس سے مراد خاندان کے تمام امور — شوہر و بیوی کے حقوق، اولاد کی پرورش و تعلیم، والدین و رشتہ داروں کے حقوق، گھر کی آمدن و خرچ کا انتظام، اور گھریلو ماحول کی اخلاقی فضا — کو شریعت و حکمت کے مطابق چلانا ہے۔ قرآن نے گھر کو "سکن" یعنی سکون کی جگہ قرار دیا اور ازدواجی تعلق کی بنیاد محبت و رحمت بتائی: اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت و رحمت رکھی (سورۃ الروم: 21)۔ گھر کے نظام میں مرد کو "قوام" یعنی نگران و کفیل کی ذمہ داری دی گئی (سورۃ النساء: 34)، مگر اس کے ساتھ مشاورت، عدل اور نرمی کی شرط بھی رکھی گئی؛ رسول اللہ ﷺ گھر کے کاموں میں شریک ہوتے اور اہلِ خانہ سے مشورہ بھی فرماتے۔ اختلافی امور میں قرآن صلح و مصالحت کی راہ دکھاتا ہے اور خاندانی ثالثوں کے ذریعے معاملات سلجھانے کی ہدایت کرتا ہے (سورۃ النساء: 35)۔ نماز کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس پر ثابت قدم رہو (سورۃ طٰہٰ: 132)، اور سورۃ التحریم میں اپنے آپ کو اور گھر والوں کو آگ سے بچانے کا حکم دیا گیا (سورۃ التحریم: 6)۔ ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ تدبیرِ منزل صرف کھانا پکانے اور اخراجات چلانے کا نام نہیں بلکہ ایک مکمل تربیتی نظام ہے جس میں عبادت، اخلاق، تعلیم اور معیشت چاروں شامل ہیں۔

تربیتِ اولاد، گھریلو معیشت اور حقوق کی حفاظت

تدبیرِ منزل کا سب سے اہم شعبہ اولاد کی تربیت ہے۔ قرآن نے حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحتیں پوری ایک سورت کے نمایاں حصے میں نقل کیں: شرک سے بچنا، اللہ کی نگرانی کا احساس، نماز قائم کرنا، نیکی کا حکم و برائی سے منع، مصیبت پر صبر، تکبر سے پرہیز، آواز و چال میں اعتدال (سورۃ لقمان: 13–19) — یہ نصیحتیں گویا تربیت کا جامع نصاب ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی زندگی کے آخری لمحات میں اولاد سے اللہ کی عبادت کا عہد لینا (سورۃ البقرہ: 133) بتاتا ہے کہ والدین کی سب سے بڑی زندگی بھر کی فکر اولاد کا دین ہوتا ہے۔ دوسرا شعبہ گھریلو معیشت ہے: اسراف و فضول خرچی کی ممانعت اور میانہ روی کی تلقین (سورۃ الفرقان: 67؛ سورۃ الاسراء: 26–27) گھر کو قرض اور پریشانی سے بچاتی ہے؛ بخل و کنجوسی بھی مذموم ہے، اس لیے درمیانی راہ ہی قرآنی راہ ہے۔ تیسرا شعبہ رشتوں کی حفاظت ہے: والدین کے ساتھ احسان کا تفصیلی حکم (سورۃ الاسراء: 23–24)، رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کے حق کی ادائیگی، اور مہمان کی عزت، یہ سب گھر کو معاشرے سے جوڑتے ہیں۔ چوتھا شعبہ گھریلو فضا کی پاکیزگی ہے: پردے، نظر کی حفاظت اور اجازت لے کر داخلے جیسے احکام (سورۃ النور) گھر کی حیا و اطمینان کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان احکام پر عمل سے گھر محض رہائش نہیں رہتا بلکہ وہ پہلا مدرسہ بن جاتا ہے جہاں سے صالح شہری نکلتے ہیں۔ یاد رہے کہ خاندانی احکام کی جزئی فقہی تفصیلات — جیسے نفقہ، وراثت یا علیحدگی کے مسائل — کا اطلاق مستند اہلِ علم اور عدالتوں کے ذریعے ہوتا ہے؛ طالب علم کا کام اصول سمجھنا اور اختلافی مسائل میں اہلِ علم سے رجوع کرنا ہے۔

جدول 3: معاملات اور تدبیرِ منزل — قرآنی اصول و ثمرات

شعبہ	قرآنی اصول	ثمر / اہمیت
معاملات	حلال کسب، باہمی رضامندی سے تجارت	معیشت عبادت بنتی ہے؛ استحصال ختم
معاملات	امانت، عدل، ناپ تول میں انصاف	سماجی اعتماد اور بازار کی مضبوطی
معاملات	معاہدات کی تحریر و گواہی	تنازعات میں کمی؛ کمزور کے حق کی حفاظت

دولت کی منصفانہ گردش؛ اخلاقی تحفظ	سود، رشوت، دھوکے کی ممانعت	معاملات
گھر میں سکون و استحکام	مودت و رحمت، مشاورت و قوامیت	تدبیرِ منزل
صالح نسل؛ معاشرے کا مستقبل محفوظ	تربیتِ اولاد (لقمانی نصاب)	تدبیرِ منزل
قرض و انتشار سے نجات؛ رشتوں کی بقا	میانہ روی، والدین و رشتوں کے حقوق	تدبیرِ منزل

دونوں شعبوں کا باہمی تعلق اور آج کے لیے سبق

معاملات اور تدبیرِ منزل الگ الگ خانے نہیں بلکہ ایک ہی قرآنی نظامِ زندگی کے دو چہرے ہیں۔ جو شخص گھر میں عادل، نرم خو اور ذمہ دار ہو، وہ بازار و دفتر میں بھی اسی کردار کا مظاہرہ کرتا ہے؛ اور جو گھر میں ظالم و غافل ہو، اس کی باہر کی نیکی اکثر دکھاوا نکلتی ہے۔ اسی لیے اسلام نے اصلاح کی ترتیب اندر سے باہر کی طرف رکھی ہے: پہلے شخص، پھر خاندان، پھر معاشرہ، پھر ریاست۔ آج کے مسائل پر نظر ڈالیں تو دونوں شعبوں کی اہمیت اور بھی واضح ہو جاتی ہے: ایک طرف فراڈ، ملاوٹ، ناپ تول کی کمی، آن لائن دھوکے اور قرضوں کی وبا معاملات کی بگاڑ کی نشانیاں ہیں، تو دوسری طرف خاندانی نظام کی ٹوٹ پھوٹ، اولاد و والدین کے درمیان دوری، اسراف پسندی اور گھریلو تشدد تدبیرِ منزل سے غفلت کے نتائج ہیں۔ قرآن کا نسخہ دونوں کے لیے ایک ہی ہے: تقویٰ پر مبنی کردار، علم کے ساتھ عمل، اور آخرت کی جواب دہی کا احساس۔ تعلیمی اداروں، خطبوں اور ذرائع ابلاغ کو چاہیے کہ وہ عبادات کے ساتھ معاملات و خاندانی تربیت کو بھی اسی سنجیدگی سے موضوع بنائیں۔ طالب علم کے لیے عملی آغاز یہ ہے کہ وہ اپنی خرید و فروخت میں سچ و امانت، اپنے وعدوں میں پابندی، اور اپنے گھر میں نرمی، مشاورت و تربیت کو شعار بنائے؛ یہی چھوٹی عادتیں بڑی اجتماعی اصلاح کی بنیاد بنتی ہیں۔

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تعلیمات میں معاملات ایمان کا عملی امتحان اور سماجی اعتماد کی بنیاد ہیں، جبکہ تدبیرِ منزل خاندان کو سکون، تربیت اور بقا عطا کر کے پورے معاشرے کی جڑ مضبوط کرتی ہے۔ حلال کسب، امانت و عدل، معاہدات کی حفاظت، مودت و رحمت، اولاد کی تربیت اور میانہ روی — یہ وہ اصول ہیں جن پر عمل کر کے فرد، خاندان اور

ریاست تینوں سنورتے ہیں۔ طالب علم کے لیے سبق یہ ہے کہ وہ دین کو صرف مسجد و مدرسے کی سرگرمی نہ سمجھے بلکہ بازار، دفتر اور گھر کو بھی دین کی عملداری مانے؛ اسی شعور سے قرآنی زندگی کی تکمیل ہوتی ہے۔

سوال نمبر 5: توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد انسانی معاشرے کی اصلاح میں کس طرح بنیادی کردار ادا کرتے ہیں؟ (20 نمبر)

تعارف

معاشرے کی اصلاح ہر دور کا سب سے بڑا مسئلہ رہا ہے۔ قانون سازی، تعلیم، معاشی پالیسی اور انتظامی اصلاحات سب آزمائی جاتی ہیں، مگر جرم، بدعنوانی، خاندانی انتشار اور اخلاقی زوال پھر بھی بڑھتا نظر آتا ہے۔ اس ناکامی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بیرونی اصلاحات انسان کے اندر کی دنیا کو نہیں بدل سکتیں؛ جب دل میں خدا کا خوف، صحیح راہنمائی کا یقین اور جواب دہی کا احساس نہ ہو، قانون کی آنکھ سے بچ نکلنے والا ہر جرم روا سمجھتا ہے۔ قرآن مجید نے معاشرتی اصلاح کی بنیاد تین عقائد پر رکھی ہے: توحید، رسالت اور آخرت۔ یہ تینوں مل کر انسان کو ایک مرکزِ اطاعت (توحید)، ایک عملی نمونہ و قانون (رسالت) اور ایک دائمی محرک و احتساب (آخرت) عطا کرتے ہیں۔ یہ موضوع درحقیقت اس پوری مشق (اسائنمنٹ نمبر 1 و 2) کے مباحث کا خلاصہ ہے، کیونکہ پہلے سوالات میں یہ عقائد انفرادی زندگی کے حوالے سے زیرِ بحث آئے، اور یہاں ان کا اجتماعی و تہذیبی کردار واضح کرنا مقصود ہے۔ اس جواب میں ہم باری باری دیکھیں گے کہ توحید کس طرح مساوات، آزادی اور وحدت پیدا کرتی ہے، رسالت کس طرح قانون، نمونہ اور قیادت مہیا کرتی ہے، آخرت کس طرح احتساب و صبر کا نظام بناتی ہے، اور پھر تینوں کا مجموعی اثر جدید معاشرتی مسائل پر کس طرح مرتب ہوتا ہے۔

توحید کا اصلاحی کردار: مساوات، آزادی اور وحدت

توحید کا پہلا اصلاحی ثمر انسانی مساوات ہے۔ جب معاشرے کا ہر فرد ایک ہی خدا کا بندہ اور ایک ہی باپ کی اولاد ہو تو طبقاتی اونچ نیچ، نسلی برتری اور ذات پات کی بنیادیں گر جاتی ہیں۔ قرآن کا اعلان کہ عزت کا پیمانہ صرف تقویٰ ہے (سورۃ الحجرات: 13) تاریخِ انسانیت کا سب سے فیصلہ کن انقلابی اصول ہے، کیونکہ اس نے غلام کو حکمران کے برابر صف میں کھڑا کر دیا۔ عملی ثبوت حج و نماز کی صفوں اور مدینہ کے معاشرے میں ملا، جہاں سابقہ غلام بھی امیر و سردار کے ہم پلہ ہوئے۔ دوسرا ثمر ذہنی آزادی ہے: توحید انسان کو طاقتور انسانوں، جھوٹے مسیحاؤں اور واہموں کی غلامی سے نکال کر صرف خدا کا بندہ بناتی ہے؛ ایسا معاشرہ حکمرانوں کے سامنے سچ بولنے والے شہری پیدا کرتا ہے، خوشامدی غلام نہیں۔ تیسرا ثمر وحدت و مرکزیت ہے: ایک معبود، ایک قبلہ، ایک کتاب رکھنے والی امت اختلاف کے باوجود ایک مرکز سے جڑی رہتی ہے، جبکہ بت پرست معاشرے قبائل، فرقوں اور معبودوں کے تنوع سے ہمیشہ منقسم رہے۔ چوتھا ثمر یہ ہے کہ توحید ظلم کو نظریاتی بنیاد سے رد کرتی ہے۔ جب حاکمیت اعلیٰ اللہ کی ہو تو کوئی حکمران خدا نہیں بن سکتا اور کوئی قانون خدا کے عدل سے اوپر نہیں ہو سکتا۔ یورپی تاریخ نے بادشاہوں کے خدائی حق کا تجربہ کیا، اور اسلامی تاریخ نے خلیفہ کا بھی قانون کے سامنے جواب دہ ہونا دیکھا—یہ فرق توحیدی نظریے ہی کا پیدا کردہ ہے۔ اس طرح توحید صرف عقیدہ نہیں، ایک پورا معاشرتی نظامِ اقدار ہے۔

رسالت کا اصلاحی کردار: قانون، نمونہ اور قیادت

اگر توحید معاشرے کو مرکز و سمت دیتی ہے تو رسالت اسے قانون، نمونہ اور زندہ قیادت عطا کرتی ہے۔ پہلا کردار قانون سازی کا معیار قائم کرنا ہے: وحی پر مبنی شریعت میں حدود و حقوق نہ حکمران کی خواہش سے بدلتے ہیں نہ اکثریت کے جذبات سے؛ عدل، امانت، وراثت، تجارت، خاندانی حقوق اور جرم و سزا کے اصول مستقل بنیادوں پر قائم رہتے ہیں، اور ان کی تفسیر و اطلاق میں اہلِ علم و عدالت کا نظام کام کرتا ہے۔ دوسرا کردار عملی نمونے کا ہے: اصول اس وقت معاشرہ بدلتے ہیں جب کوئی شخصیت انہیں جیتا ہوا دکھائے؛ سیرتِ رسول ﷺ نے صداقت کو تاجروں میں، عفو کو حکمرانوں میں اور خدمت کو قائدین میں زندہ روایت بنا دیا۔ تیسرا کردار قیادت و اداروں کی تشکیل ہے: مدینہ کی ریاست، میثاقِ مدینہ، زکاۃ و اوقاف کا نظام، قضاء کا اہتمام اور تعلیم کی درسگاہیں (صفہ) اسی رسالی رہنمائی کے ادارہ جاتی ثمرات ہیں، جنہوں نے بکھری قبائلی آبادی کو

قانون کی پابند امت میں ڈھالا۔ چوتھا کردار دعوت و احتسابِ عامہ کا فرض ہے: امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا اصول (سورۃ آل عمران: 104) ہر مؤمن کو معاشرے کا نگراں بناتا ہے، تاکہ اصلاح صرف حکومت کی ذمہ داری نہ رہے بلکہ پورے معاشرے کی مشترکہ ذمہ داری بن جائے۔ اسی اصول نے مسلمان معاشروں میں صدیوں تک خود کار اصلاحی نظام زندہ رکھا، جہاں عالم، تاجر، استاد اور عام شہری سب اپنی استطاعت کے مطابق بگاڑ روکنے میں حصہ لیتے تھے۔ یوں رسالت معاشرے کو محض وعظ نہیں دیتی، بلکہ ریاست، قانون، تعلیم اور کردار کا مکمل عملی خاکہ مہیا کرتی ہے۔

آخرت کا اصلاحی کردار: احتساب، صبر اور خدمت

تیسرا ستون آخرت کا عقیدہ ہے، جو اصلاح کو دائمی محرک اور چھپے ہوئے اعمال کی نگرانی فراہم کرتا ہے۔ پہلا کردار خود احتسابی کا نظام بناتا ہے: دنیوی نگرانی جتنی بھی سخت ہو، دل کے ارادے، نیتوں اور تنہائی کے اعمال اس کی گرفت سے باہر رہتے ہیں؛ آخرت کا یقین اسی خلا کو بھرتا ہے کہ اللہ سے کوئی چیز چھپی نہیں اور ذرے برابر عمل بھی سامنے آئے گا (سورۃ الزلزال)۔ جدید انتظامات میں اسی اصول کی کمزور نقل 'شفافیت و احتساب' ہے، مگر وہ کاغذات تک محدود ہے، جبکہ ایمان بالآخرت ضمیر تک پہنچتا ہے۔ دوسرا کردار مظلوم و محروم کے لیے امید و صبر ہے: جس معاشرے میں ظالم کو دنیا میں سزا نہ ملے، وہاں مایوسی انقلاب و خودکشی کو جنم دیتی ہے؛ آخرت کا یقین کہتا ہے کہ اصل عدالت ابھی باقی ہے، اس لیے مظلوم صبر و قانون کا راستہ نہیں چھوڑتا اور ظالم کے لیے بھی توبہ کی صورت میں نجات کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ تیسرا کردار خدمت و سخاوت کا کلچر ہے: رمضان کی سخاوت، زکاۃ و صدقات، اوقاف کے اسپتال و مدرسے اور یتیم خانے اسی یقین سے بنتے ہیں کہ دیا ہوا ضائع نہیں جاتا۔ چوتھا کردار یہ ہے کہ آخرت دنیا پرستی کی جڑ کاٹتی ہے؛ جب زندگی مقصد کے بجائے صرف کھیل تماشا سمجھی جائے (جس سے قرآن نے بار بار خبردار کیا ہے) تو معاشرہ لذت پرستی و خود غرضی میں ڈوبتا ہے؛ آخرت کی تیاری اسے توازن و سنجیدگی عطا کرتی ہے۔ قتلِ ناحق، سود اور یتیم کے مال جیسی کبیرہ برائیوں کے ساتھ قرآن نے آخرت کی وعید خاص طور پر اسی لیے جوڑی ہے کہ معاشرتی جرائم کی روک تھام قانون سے پہلے ضمیر سے ہو۔

جدول 4: تینوں عقائد کا اصلاحِ معاشرہ میں مجموعی کردار

اصلاحی ثمر	معاشرے کو عطیہ	عقیدہ
ظلم و طبقاتی نظام کی تردید؛ آزاد و باعزت شہری	ایک مرکزِ اطاعت، مساوات، حاکمیتِ قانونِ الٰہی	توحید
عادلانہ ادارے؛ کردار ساز قیادت؛ مسلسل اصلاح	وحی کا قانون، سیرت کا نمونہ، احتسابِ عامہ کا فرض	رسالت
ضمیر کی نگرانی؛ صبر، سخاوت اور خدمت کا کلچر	جواب دہی کا یقین، جزا و سزا کا تصور	آخرت
وہ معاشرہ جو خود اپنا نگراں ہو	عقیدہ، عمل اور انجام کی یکجہتی	تینوں کا اجتماع

تینوں عقائد کا باہمی ربط اور جدید مسائل پر اطلاق

ان تینوں عقائد کو الگ الگ دیکھنے کے بجائے ان کے باہمی ربط کو سمجھنا زیادہ اہم ہے۔ توحید سوال کا جواب دیتی ہے کہ اطاعت کس کی ہو؛ رسالت بتاتی ہے کہ اطاعت کیسے ہو اور اس کا نمونہ کون ہے؛ آخرت اس سوال کا جواب ہے کہ اطاعت کیوں کی جائے اور اس کا انجام کیا ہو گا۔ ان میں سے کوئی ایک بھی کمزور پڑے تو نظام بگڑ جاتا ہے: توحید کے بغیر انسان انتشار و شرک کا شکار ہوتا ہے؛ رسالت (سنت) کے بغیر دین خود ساختہ رسوم و بدعات میں ڈھل جاتا ہے؛ اور آخرت کے یقین کے بغیر عبادت بھی نمائش اور اخلاق بھی مصلحت بن جاتا ہے۔ جدید معاشرتی مسائل پر اس نظام کا اطلاق یوں نظر آتا ہے: بدعنوانی کا حل صرف قانون نہیں، توحید سے پیدا ہونے والا خدا خوفی اور آخرت کا احتساب ہے؛ عدم مساوات کا علاج رسالت کی زکاۃ و وراثت کے منصفانہ نظام و سیرت کے مساواتی نمونے میں ہے؛ خاندانی انتشار کا علاج انہی عقائد سے بننے والے مودت و رحمت کے گھریلو نظام میں ہے؛ اور نوجوان نسل کی بے راہ روی کا حل انہیں آخرت کا شعور و سیرت کا مطالعہ دینا ہے، محض تفریحی مصروفیات نہیں۔ یہاں علمی دیانت کے طور پر یہ نوٹ کرنا بھی ضروری ہے کہ ان اصولی عقائد سے جزئی قانونی احکام کے اطلاق، سزاؤں کے نفاذ اور اجتماعی فیصلوں کا اختیار اہلِ علم، عدلیہ اور ریاستی اداروں کا ہے؛ عام افراد کا کام اپنی ذات و گھر کی اصلاح، پرامن دعوت اور قانونی ذرائع سے خیر خواہی ہے۔ اس حد بندی کے ساتھ عقائد کا اصلاحی پیغام کسی انتشار کا نہیں بلکہ نظم و قانون کی پابندی کا درس دیتا ہے۔

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد انسانی معاشرے کی اصلاح میں بنیادی کردار اس لیے ادا کرتے ہیں کہ یہ تینوں مل کر انسان کو مرکز، نقشہ اور محرک — تینوں چیزیں ایک ساتھ فراہم کرتے ہیں: توحید سے مساوات، آزادی اور قانون کی بالادستی ملتی ہے؛ رسالت سے وحی کا نظام، سیرت کا نمونہ اور اصلاح کا دائمی فرض ملتا ہے؛ اور آخرت سے ضمیر کی نگرانی، صبر کی طاقت اور خدمت کا جذبہ حاصل ہوتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب یہ عقائد زندہ رہے تو صحرا کے قبائل دنیا کے مہذب ترین معاشرے میں بدل گئے، اور جب یہ محض رسمی کلمات بن گئے تو زوال نے جگہ لے لی۔ طالب علم کے لیے سبق یہ ہے کہ اصلاحِ معاشرہ کا آغاز نعروں سے نہیں، اپنے عقیدے کو شعوری بنا کر اسے اپنی ذات، گھر اور پیشے میں نافذ کرنے سے ہوتا ہے؛ یہی اس کورس کے تمام مباحث کا عملی نچوڑ ہے۔

USMAN NOTES www.usmannotes.com